© rasailojaraid.com



# ہندوستان کی فارسی شاعری میں مقامی عناصر

از ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری استاد فارسی، ٹی۔ ان۔ بی۔ کالج، بھاگل پور

علامہ شبلی کا یہ اعتراض کہ "عرب کی شاعری سے ملک کا تمدن، معاشرت، خانگی حالات، رہنے سہنے کے طریقے، اسباب خانہ داری اور اس قسم کی دوسری باتیں اس تفصیل سے معلوم ہوسکتی ہیں کہ تاریخ یعنی ہسٹری سے بھی نہیں معلوم ہوسکتیں، لیکن فارسی شاعری میں یہ باتیں ناپید ہیں"۔ ہندوستان کی فارسی شاعری کے سلسلے میں کچھ حد تک ضرور صحیح ہے لیکن کُلی طور پر اسے صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ ہندوستان کے فارسی شعراء پر یہ الزام کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اس ملک کے تمدن، ماحول اور معاشرت کا ذکر نہیں کیا بلکہ وہی گل وبلبلِ شیراز اور شیریں و فرہاد کے راگ الاپتے رہے یا لیلیٰ مجنوں کی داستاں سرائی کرتے رہے، امیر خسرو اور فیضی کے کلام کی روشنی میں غلط ثابت ہوتا ہے۔ خود علامہ شبلی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی شاعری نے چھ سو برسوں کی طویل مدت میں ہندوستان میں صرف دو اشخاص پیدا کئے جنھیں اہل زبان یعنی ایران کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا۔

ہندوی ادب و شاعری کے پرستار امیر خسرو کی شخصیت اور شاعری سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ وہ ایک ایسے شاعر تھے جن کی ذات میں بیک وقت بہت سارے علوم و فنون مجتمع ہوگئے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی اکثر علاقائی زبانوں میں شاعری کی، یہاں کے ماحول اور فضا کی تصویر کشی کی۔ یہاں کے مختلف پیشہ کے لوگوں کی خصوصیتیں بیان کیں اور اس



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بات کا ثبوت دیا کہ شاعر خواہ فارسی زبان کا ہو یا کسی اور زبان کا، وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے غافل و بے خبر نہیں رہ سکتا بلکہ ماحول کی ایک ایک چیز پر اس کی گہری نظر رہتی ہے۔ وہ لوگوں کی زبان، گفتار اور طور طریقے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان چیزوں کو اختیار کر کے خود اپنی زبان و شاعری میں سمو دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امیر خسرو کی چند غزلیں جن کے اشعار اور مصرعوں میں فارسی و ہندوی زبانوں کی بہترین آمیزش ملتی ہے۔ نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہیں ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم ای جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

تعجب کی بات یہ ہے کہ امیر خسرو کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں فارسی اور مقامی زبان کی حسین رنگ آمیزی پائی جاتی ہے ؎

ہندی بچہ ای بیں کہ عجب حسن دھرے چھے
بر وقت سخن گفتن مکھ پھول جھرے چھے
گفتم ز لب لعل تو یک بوسہ بخواہم
گفتا کہ ہرے رام ترک کاہے کرے چھے

سب لوگ جانتے ہیں کہ امیر خسرو فن موسیقی میں نہ صرف استاد تھے بلکہ بہت سے آلات موسیقی کے موجد بھی تھے۔ ستار کے متعلق مشہور ہے کہ یہ انھیں کی اختراعات میں سے ہے فن موسیقی میں ان کی مہارت ایک الگ موضوع ہے جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، میں یہاں صرف ایک شعر نقل کروں گا جس سے اندازہ ہوگا کہ اس شاعر کو ساز سے صوتی ہم آہنگی کا کتنا پختہ شعور حاصل تھا ؎



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دہل زد دہل زد بہ تحسین او کہ دین دینِ او دینِ او دینِ او

مصرعہ دوم کی پیہم تکرار بالکل نقارے کی آواز کی ترجمانی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خسرو کی مادری زبان دہلوی ہندوی تھی جو انھیں فارسی سے زیادہ عزیز تھی۔ اس زبان میں انھوں نے لاکھوں شعر، گیت، پہیلیاں وغیرہ کہی ہیں ان میں بلشیتر ضائع ہو چکی ہیں لیکن اس کا جو حصہ مشتی نمونہ از خروارے باقی ہے وہ ہمارے ادب کا قابلِ فخر سرمایہ اور ہمارے ملک کی بے بہا دولت ہے۔ خسرو کے ایسا ہمہ رنگ جینیس ہندوستان آج تک نہیں پیدا کر سکا آج ہم جو زبان بولتے ہیں وہ خسرو ہی کی زبان ہے۔

مغلوں کا زمانہ ہندوستان میں فارسی شعر و ادب کا سنہرا زمانہ تھا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شعراء ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان آتے تھے اور گوہرِ مقصود حاصل کرتے تھے۔ شہنشاہ اکبر نے اپنے دربار کو ایک ایسا گلدستہ بنا رکھا تھا جس میں مختلف علوم و فنون کے پھول یکجا نظر آتے تھے۔ اس کے نورتنوں میں جہاں ایک ابوالفضل، فیضی اور عبدالرحیم خانخاناں جیسے باکمال لوگ تھے وہیں دوسری طرف راجہ مان سنگھ، ٹوڈرمل اور بیربل جیسے قابل و باصلاحیت لوگ بھی موجود تھے۔ اکبر نے اپنے دربار میں "ملک الشعراء" کا عہدہ مقرر کر رکھا تھا، شیخ مبارک کے دونوں لڑکے ابوالفضل و فیضی جو شروع میں اکبر کے عتاب سے بچنے کے لئے چھپتے پھرتے رہے، بعد میں دربارِ اکبری کے اہم ارکان مقرر ہوئے۔ فیضی نے اکبر کے اصرار پر ۱۰۰۳ھ میں "نل دمن" کا قصہ منظوم کرنا شروع کیا اور چار مہینوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا کر اکبر کے سامنے پیش کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے فیضی سے بدظن رہنے کے باوجود لکھا ہے کہ تین سو برس سے ایسی مثنوی نہیں لکھی گئی پھر لکھتا ہے "الحق مثنویست کہ دریں صد سال بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسی گفتہ باشد"۔ ۹۹۰ھ میں اکبر نے حکم دیا تھا کہ "مہابھارت" کا ترجمہ کیا جائے۔ بڑے بڑے گنوان پنڈت جمع ہوئے، اکبر خود نقیب خاں کو عبارت کا مطلب سمجھاتا جاتا تھا اور وہ فارسی میں ترجمہ کرتا تھا۔ پھر عبدالقادر بدایونی اور ملا شیری وغیرہ کو مہابھارت کے الگ الگ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ٹکڑے سپرد ہوئے چنانچہ اس کا ایک حصہ فیضی کو بھی ترجمہ کرنے کے لئے ملا۔ یجُر وید کا ترجمہ بھی فیضی کی طرف منسوب ہے۔ بھاون نام کا ایک شخص جو دکھن کا رہنے والا تھا، پڑھکر مطلب سمجھاتا جاتا تھا اور فیضی فارسی میں لکھتا جاتا تھا۔ "لیلاوتی" کا ترجمہ فیضی نے سنسکرت سے فارسی میں کیا اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے بہت سارے اشعار ملک کے مختلف خطوں کی تعریف اور وہاں کے حسن و زیبائش کے بارے میں لکھے احمد آباد کی تعریف اور گجرات و دہلی کے لوگوں کے حسن و جمال کی توصیف مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ ہو ؎

چو رشکِ گلشنِ فردوس احمد آباد است
از او مباد بردنم کشند چوں آدم
بحسنِ مردم گجرات یاد نیست دلی
نمی روند جوانانِ دہلی از یادم

طالب آملی جو جہانگیر بادشاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا، اس کے دل میں شروع سے ہندوستان آنے کی خواہش تھی چنانچہ جب ماژندران سے ہندوستان آیا تو ایک رباعی کہی ؎

طالب گلِ ایں چمن بہ بستاں بگذار  بگذار کہ شوی پشیماں بگذار
ہندو نبرد تحفہ کسی جانب ہند  بخت سیہ خویش بایراں بگذار

مطلب یہ کہ ہندوستان میں کالی چیز کا تحفہ لے کر نہیں جاتے اس لئے سیاہ قسمت کو یہیں چھوڑ کر چلنا چاہیئے۔

طالب نے ہندوستان سے جب قندھار کا سفر کیا تو یہ اشعار لکھے ؎

نگارانِ لاہور و خوبانِ دہلی  بلا کردہ بودند پیوند جانم
یکی چہرہ سودی بچشمِ رکابم  یکی بوسہ دادی بزلفِ عنانم
فشاندی یکی در بغل یاسمینم  نہادی یکی در دہاں برگ پانم



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یعنی جب میں قندھار کے لئے روانہ ہونے لگا تو میری محبت اور ہمدردی میں دہلی اور لاہور کے نوجوانوں کی عجیب کیفیت تھی کوئی میرے رکاب سے اپنا چہرہ ملتا تھا تو کوئی میرے عنان کی زلفوں کو بوسہ دیتا تھا۔ ایک میرے پہلو میں یاسمین چھڑکتا تھا تو دوسرا میرے منہ میں پان کا بیڑہ ڈالتا تھا۔ آخری شعر میں "برگ پانم" کی ترکیب نہایت برجستہ ہے۔
طالب آملی نے پان کا ذکر کر کے ہندوستان کی مہمان نوازی کی رسم کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔ مہمانوں کو کھانے کے بعد اور رخصت کرتے وقت پان پیش کرنا ہمارے ملک کی قدیم رسم ہے۔
ابوطالب کلیم ہمدانی شاہ جہاں کے دربار کا ملک الشعراء تھا وہ جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان آیا اور ۱۰۲۸ھ میں وطن واپس گیا مگر ہندوستان کی محبت دل میں ایسی تھی کہ حسرتوں کے انبار لئے جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک غزل لکھی جس کے چند اشعار قابلِ ذکر ہیں ؎

زشوقِ ہند زاں ساں چشمِ حسرت بر قفا دارم
کہ رو ہم گر برہ آرم نمی بینم مقابل را

یعنی ہندوستان کے شوق میں میری آنکھیں اس طرح پیچھے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ سامنے کے رخ پر نظر بھی ڈالتا ہوں تو سامنے کا آدمی نظر نہیں آتا، آگے کہتا ہے ؎

اسیر ہندم و زیں رفتنِ بیجا پشیمانم
کجا خواہد رساندن پر فشاں ایں مرغ بسمل را

مطلب یہ کہ میں ہندوستان کی محبت کا قیدی ہوں اور اپنے اس بے موقع سفر سے پشیماں ہوں پتہ نہیں ہندوستان کی محبت کا یہ بیقرار پنچھی کہاں پہنچا دیا جائے گا۔
علامہ شبلی کہتے ہیں کہ اس حالت کے ساتھ ابوطالب کلیم کا وطن میں کیا جی لگتا دو برس بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ پھر ہندوستان واپس آ گیا پھر جب شاہجہاں کے ساتھ کشمیر گیا تو وہاں کی رنگینی اور آب و ہوا کی دلآویزی کا اس قدر شیفتہ ہوا کہ بادشاہ سے درخواست



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی کہ مجھ کو یہیں رہنے کی اجازت دی جائے میں یہاں بیٹھکر اطمینان سے فتوحات شاہی نظم کروں گا چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کلیم ہندوستان کا مداح اور افسانہ خواں تھا ایک قصیدہ کی پوری تمہید ہندوستان کی تعریف میں ہے جس کا یہ شعر درج کرنے کے قابل ہے سہ

توان بہشت دوم گفتنش بایں معنی
کہ ہر کہ رفت ازیں بوستاں پشیماں شد

یعنی بیشک ہندوستان دوسری جنت کا نام ہے کیونکہ جو بھی اس چمن سے باہر گیا، بہت پچھتایا ۔

کلیم نہایت حاضر جواب اور ذہین تھا ۔ قیصر روم نے شاہجہاں کو خط لکھا کہ آپ صرف ہندوستان کے بادشاہ ہیں، "شاہ جہاں" کا لقب کیوں اختیار کیا ؟ شاہجہاں کو بھی یہ خیال ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے ۔ اپنے وزیر یمین الدولہ سے کہا کہ کوئی اور لقب اختیار کرنا چاہئے کلیم کو خبر ہوئی اسی وقت قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس میں لقب کی یہ دلیل دی سہ

"ہند" و "جہاں" ز روی عدد ہر دو چوں یکیست
شہ را خطاب شاہجہانی مبرہن است

مطلب یہ کہ "ہند" اور "جہاں" دونوں لفظ کے عدد ایک ہیں (۵۹) اس لئے "شاہ جہاں" اور "شاہ ہند" دونوں کہہ سکتے ہیں ۔

ہندوستان کے بہت سے پیشوں، پھلوں اور پھولوں کے نام اس نے اپنی شاعری میں لکھ دیئے ہیں جن کا نام بھی زبان قلم پر لانا قابل اعتراض تھا مثلاً سہ

منہ بر و عدۂ تنبولیاں دل
کہ جز خوں خوردن ازو نیست حاصل

---

ز حسن شستہ دعوی چہ گویم
ازاں بی پردہ محجوبی چہ گویم

---



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



غرورِ حسن با جہل پٹھانی    چو گرد جمع نتوان زندگانی

---

گل گڑھل نہ نہیدست موسم    شگفتہ چوں رخ یار است دایم

---

نہال نیش از بس خوش نسیم است    دل طوبیٰ ز رشک آں دو نیم است

درویش حسین عالہ ہروی تیس برس کی عمر میں ہرات سے ہندوستان آیا اور اپنی پوری زندگی ہندوستان کے مختلف حصوں میں گذارنے کے بعد بنگال میں پیوست خاک ہوا۔ اس ملک کی تعریف میں اس نے بہت سارے اشعار لکھے۔ یہاں کی مختلف جگہوں کی آب وہوا دریاؤں کی کثرت اور پہاڑی راستوں کے نشیب وفراز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آسام کے متعلق لکھتا ہے ؎

عالمی دیگر و خلق دگر و وضعی دگر    نہ زمینش چو زمین و نہ سماہمچو سما

آسماں بی سبب ابر فرستد باراں    وز زمیں بی مدد خاک شود سبز گیا

پستیِ راہ و بلندیش ندارد دستلی    در تعاریف بہ از مرتبۂ شاہ و گدا

................    ................

................    بحر ہا بی حد اندازہ چو فکرِ دانا

یعنی آسام کی سرزمین عجیب، یہاں کے لوگ عجیب اور لوگوں کے طور طریقے جداگانہ ہیں۔ نہ تو یہاں کی زمین عام زمین کی طرح ہے اور نہ ہی آسمان عام آسمان کی طرح ہے۔ فضا کا عالم یہ ہے کہ بغیر ابر کے یہاں پانی برستا ہے اور زمین (پتھریلی) بغیر خاک کے سبزہ اُگاتی ہے۔ یہاں کے راستوں کے نشیب وفراز کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی جو فرق ایک بادشاہ اور فقیر میں ہوا کرتا ہے وہی فرق یہاں کے راستوں کی اونچائی اور نیچائی میں ہے۔ یہاں کے دریا فلسفیوں کے افکار و خیالات کی طرح بے انتہا اور وسیع ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



معلوم ہوتا ہے کہ اوڑلیسہ اور بنگال کے مچھروں نے ہمارے شاعر کو بہت تنگ کیا تھا اوڑلیسہ کے مچھروں کا ذکر اس طرح کرتا ہے ؎

در راہ ادلیسہ ما دغم کوشیہا — در راحت و عافیت فراموشیہا
سرگوشی یک پشہ بنمرود چہ کرد — مسکین من و پشہ ہا وسرگوشیہا

مطلب یہ کہ اوڑلیسہ کے راستے میں رنج وتکلیف کا کیا بیان کیا جائے تمام عیش وآرام بھول گئے، ایک مچھر کی سرگوشی نے نمرود کا کیا حال کر دیا یعنی اس کا کام ہی تمام کر دیا اس راہ میں بھی بیچارہ میں تھا، مچھر تھے اور ان کی سرگوشیاں تھیں خدا نہ کریں کہیں میرا حال بھی نمرود ہی جیسا ہو۔

بنگال کے مچھروں کے بارے میں لکھتا ہے ؎

بنگال وپشۂ پیل انگن او — دارند دُم عقرب کاشی بدہان

بنارس کی سرزمین اور وہاں کے حسن کی تعریف ذیل کے شعر میں اس طرح کرتا ہے ؎

چوں صفحۂ آئینہ نماید ہمہ جا روہی — گر بنگری از فرق سرش تا کف پالیش

مذکورہ بالا شاعروں کی طرح مخدوم سید قاسم حاجی پوری نے بھی اپنے کلام میں حسینان ہند کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ سید قاسم حاجی پوری دسویں صدی ہجری میں صوبہ بہار کے حاجی پور (موجودہ ضلع دلیشالی) کے علاقہ میں گذرے ہیں۔ ان کا زمانہ ہمایوں اور اکبر بادشاہ کا زمانہ تھا۔ انھوں نے ایک پوری غزل میں اس ملک کے حسینوں کی تعریف اور ان کے ناز و غمزہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو دل ان حسینوں کی زلف میں گرفتار ہو گیا وہ جلوۂ حق کا مظہر بن گیا۔ یہ مہ جبینیاں سر سے پاؤں تک دعوتِ نظارہ ہیں اور مشہد و بغداد کے حسینوں کی طرح جاذب نظر اور دلکش ہیں۔ اپنے استاد کے سامنے زانوی ادب تہہ کر کے یہ دن رات حسن وناز کا سبق پڑھتے ہیں اور اپنے ناز و انداز سے اہل خرد کے دل وجان لے بھاگتے ہیں۔ لوگ ان کی دلربائی میں پڑ کر اپنی ساری زندگی تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں ؎



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بین نگاران ہند حسن معاد — ہمچو خوبانِ مشہد و بغداد
علم خوبی و ناز می خوانند — شاہداں مہوشاں بہ پیش استاد
جان اہل خرد بغمزہ برند — ایں چنیں شیوہ کردہ اند نفاد
بہر شاں عمرِ خلق صرف کنند — گشت ایں باب مطرد ل بناد
ہست امیدوار جلوۂ حق — دل کہ در زلفِ شاں گرفت ملاد

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

جادوی ہندلیست ملک روم تنہا می گرفت — آں سیہ خالی کہ بر رخسار گلگوں لبتہ اند

ملک روم کا جادوی حسن دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قاسم کہتے ہیں کہ اب تک حسن کی یہ شہرت صرف ملک روم کے لئے مخصوص تھی مگر جب سے ہم نے حسینانِ ہند کے پھول جیسے رخسار پر سیاہ تِل کا حسین منظر دیکھا ہے تب سے ہندوستان اس معاملہ میں بڑھا چڑھا نظر آیا۔ پھر لکھتے ہیں ؎

چوں نگارم کشورِ ہندی کند خوی ظہور — رونقِ خوبانِ ملک روم و کابل بشکنند

یعنی جب ہندوستان کے پری چہرہ لوگ اپنے حسن کا جلوہ دکھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو روم اور کابل کے حسینوں کے رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔

فیضی، طالب آملی اور ابوطالب کلیم کی طرح سید قاسم حاجی پوری کہیں باہر سے ہجرت کر کے یہاں نہیں بسے تھے بلکہ ان کے آبا و اجداد پشتہا پشت سے اس ملک میں رہتے چلے آئے تھے یہی وجہ ہے کہ جو خلوص اور زور بیان ہندوستان کی چیزوں کی تعریف و توصیف میں ان کے یہاں موجود ہے وہ اور دوسرے شعراء کو میسر نہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ شبلی کا یہ الزام کہ فارسی شاعری میں ہندوستانی ماحول کی باتیں نہیں ملتیں، جزوی طور پر صحیح ہو تو ہو مگر کلی طور پر درست نہیں۔

---



© rasailojaraid.com